میر انیس کی مرثیہ نگاری کا تجزیاتی مطالعہ

مؤلف: ڈاکٹر محمد جعفر

اردو کے عظیم شاعروں کے جگمگاتے کارواں میں میر ببر علی انیسؔ کا شمار صفِ اوّل کے قد آور فنکاروں میں ہوتا ہے۔ ان کی بزرگی کا دار و مدار فقط اس بات پر نہیں ہے کہ انہوں نے مرثیہ جیسی صنف کو اختیار کیا جسے عام طور سے نظرانداز کیا جاتا رہا ہے اور پھر انہوں نے اسے قابلِ اعتنا بنادیا بلکہ مرثیہ گویوں کے طبقے میں بھی انہیں ہم عصروں پر اس لئے سبقت حاصل ہوئی کہ انہوں نے تجزیہ و انحراف کے ایسے نئے اور فعال رجحان کی ابتدا کی جس کا اثر نہ صرف اس صنف پر دیرپا ہوا بلکہ اس سے دوسرے اصناف سخن بھی متاثر ہوئے۔

ہر بڑے اور عظیم شاعر کی پہچان یہ ہوتی ہے کہ اسے موضوعات کے برتنے کا ہنر آتا ہو اور موضوعات کو کن کن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے اس کا خاص خیال رکھتا ہو۔ یعنی مایۂ اظہار اور پیرایۂ اظہار پر خصوصی نظر رکھتا ہو۔ اردو شاعری کی تاریخ میں چار بڑے اور عظیم شاعر گذرے ہیں۔۱۔ میر تقی میرؔ، ۲۔ غالبؔ، ۳۔اقبالؔ، ۴۔انیسؔ۔ یہ وہ شاعر ہیں جو موضوعات کو پرکھنے کا سلیقہ جانتے تھے۔ منفرد لب و لہجہ کے شاعر تھے، انہیں 'لان جائی نس' کی زبان میں صاحبِ ڈکشن کہا جاسکتا ہے۔ لیکن انیسؔ اور ان تینوں میں فرق یہ ہے کہ ان کے موضوعات لامحدود اور غیر متعیّن تھے اور انیسؔ کے موضوعات محدود اور متعیّن تھے۔ مگر انیسؔ کا کمال یہ ہے کہ انہوں نے ان محدود اور متعیّن موضوعات میں لامحدود امکانات پیدا کر دیئے۔

لان جائی نس نے کہا ہے کہ شاعری میں عظمت و ترفع پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بلند خیالات، نفیس جذبات، عمدہ قسم کی صنائع و بدائع اور الفاظ کی مناسب ترتیب و تنظیم وغیرہ ہوں۔ انیسؔ ایک ایسے شاعر ہیں جن کو زبان پر مکمل قدرت حاصل تھی جس کی ایک مثال ملاحظہ فرمائیں:

تعریف میں چشمے کو سمندر سے ملا دُوں　　قطرے کو جو دُوں آب تو گوہر سے ملا دوں
ذرّے کی چمک مہرِ منوّر سے ملا دوں　　خاروں کو نزاکت میں گلِ تر سے ملا دوں
گلدستۂ معنی کو نئے ڈھنگ سے باندھوں
اِک پھُول کا مضموں ہو تو سَو رنگ سے باندھوں

❖

انیس الفاظ کی حرمت و عظمت سے واقف تھے۔ وہ لفظ شناس، موقع شناس اور الفاظ کے استعمال کا سلیقہ اس کی مناسب ترتیب و تنظیم کا ہنر جانتے تھے۔ جہاں انہیں زبان پر قدرت حاصل تھی وہیں ان کو بیان پر بھی قدرت حاصل تھی۔ ان کا بند پیش کیا جارہا ہے جس کی تراش و خراش اور خوبصورتی قابل ملاحظہ ہے:

ہے کجی عیب مگر حسن ہے ابرو کے لئے　　سرمہ زیبا ہے فقط نرگس جادو کے لئے
تیرگی بد ہے مگر نیک ہے گیسو کے لئے　　زیب ہے خالِ سیہ چہرۂ گل رو کے لئے
داند آں کس کہ فصاحت بہ کلامے دارد
ہر سخن موقع و ہر نقطہ مقامے دارد[۲]

حالیؔ انیسؔ کی شاعری اور ان کے زبان و بیان کے بارے میں اپنی کتاب ''مقدمہ شعر و شاعری'' میں فرماتے ہیں کہ:

''میر انیسؔ نے اس طرز کو معراج کمال تک پہونچا دیا اردو شاعری میں جو کہ مدت سے بے حس و حرکت پڑی تھی تموج بلکہ تلاطم پیدا کردیا۔ بیان کے نئے نئے اسلوب اردو شاعری میں کثرت سے پیدا کئے ایک ایک واقعے کو سو سو طرح سے بیان کرکے قوت متخیلہ کی جولانیوں کیلئے ایک نیا میدان صاف کردیا اور زبان کا ایک معتدبہ حصہ جس کو ہمارے شاعروں کے قلم نے مس تک نہ کیا تھا اور جو محض اہل زبان کی بول

۱۔ انیس کے مرثیے، جلد اول، مرتبہ صالحہ عابد حسین، صفحہ ۶۱
۲۔ انیس کے مرثیے، جلد دوم، صفحہ ۴۵۳

چال میں محدود تھا اس کو شعراء سے روشناس کرادیا۔"[۱]

جہاں ایک طرف حالیؔ نے انیسؔ کے متعلق کہا تو دوسری طرف 'احتشام حسین' نے اپنی کتاب 'اردو ادب کی تنقیدی تاریخ' میں یہ رائے ظاہر کی ہے کہ :

> "زبان، طرزِ ادا اور حقیقت نگاری کسی اعتبار سے بھی دیکھا جائے انیسؔ دنیا کے عظیم شعراء میں شمار ہوں گے ان کی شاعری میں وہ خصوصیتیں پائی جاتی ہیں جو ایک عظیم فنکار کے لئے ضروری ہیں۔ ان کے پاس الفاظ کا ایسا خزانہ تھا کہ وہ ملتے جلتے جذبات اور پیچیدہ حالات کی مصوری بالکل فطری انداز میں کر سکتے تھے۔"[۲]

اردو کے زیادہ تر مرثیہ نگار شاعروں نے فطرت نگاری کو پس منظر کے طور پر استعمال کیا ہے۔ اردو میں مرثیہ نگاری کے ابتدائی دور میں مناظرِ فطرت کی عکّاسی نہیں کی جاتی تھی لیکن میر انیس ایسے شاعر ہیں جنہوں نے پہلی بار مناظر قدرت کو مرثیوں میں شامل کیا۔ اگرچہ میر انیسؔ کے یہاں بھی مناظرِ فطرت کی حیثیت ضمنی ہے۔ اصل مقصد تو واقعہ کربلا کا بیان ہے لیکن انیسؔ نے جو مناظر پیش کیے ہیں وہ حقیقت سے قریب نظر آتے ہیں۔ فطرت نگاری میں انیسؔ کا کمال یہ ہے کہ وہ واقعہ تو کربلا کا بیان کرتے ہیں لیکن جو مناظر پیش کرتے ہیں وہ ہندوستانی ہوتے ہیں، جس سے ان کی شاعری میں عمومیت کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔

ہر بڑے شاعر کے یہاں پیکر تراشی اور منظر نگاری کے نمونے ضرور ملتے ہیں۔ مگر میر انیسؔ کے یہاں منظر نگاری ایک ایسی اہم خوبی ہے جو انھیں دوسرے شعرا سے ممتاز کرتی ہے انہوں نے مناظر قدرت کو بڑے فطری انداز میں پیش کیا ہے :

صبح کا منظر:

پھوٹی شفق سے چرخ پہ جب لالہ زار صبح   گلزار شب خزاں ہوا آئی بہار صبح
کرنے لگا فلک زر انجم نثار صبح   سرگرم ذکر حق ہوئے طاعت گذار صبح

۱۔ مولانا الطاف حسین، مقدمہ شعر و شاعری، صفحہ ۳۰۳، ۳۰۲

۲۔ سید احتشام حسین، اردو ادب کی تنقیدی تاریخ، صفحہ ۱۰۷

تھا چرخ اختری پہ رنگ آفتاب کا
کھلتا ہے جیسے پھول چمن میں گلاب کا[۱]

طے کرچکا جو منزلِ شب کاروانِ صبح　　ہونے لگا افق سے ہویدا نشانِ صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح　　ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے روئے شبِ تار ہوگیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہوگیا[۲]

❖

ٹھنڈی ہوا میں سبزۂ صحرا کی وہ لہک　　شرمائے جس سے اطلسِ زنگاریِ فلک
وہ جھومنا درختوں کا پھولوں کی وہ مہک　　ہر برگِ گل پہ قطرہ شبنم کی وہ جھلک
ہیرے خجل تھے گوہر یکتا نثار تھے
پتے بھی ہر شجر کے جواہر نگار تھے[۳]

میر انیسؔ کا کمال یہ ہے کہ وہ لفظوں کے ذریعہ ایسی تصویر کشی کرتے ہیں جیسے بڑے بڑے مصّور رنگوں سے کر بناتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ جب ہم مرثیہ کو سنتے ہیں تو پورا منظر آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے۔انہوں نے اپنے مرثیوں میں دو طرح کے مناظر پیش کئے ہیں۔(۱) متحرک منظر (۲) جامد منظر۔ ان دونوں مناظر کو انہوں نے بڑے فطری انداز میں بڑی دلکشی کے ساتھ پیش کیا۔

❖

۱۔انیس کے مرثیے، جلد اول، مرتبہ صالحہ عابد حسین، صفحہ ۳۲۳
۲۔انیس کے مرثیے، جلد اول، صفحہ ۱۹۵
۳۔ایضاً، صفحہ ۳۱۱

صحرا کی گرمی:

آبِ رواں سے منھ نہ اٹھاتے تھے جانور جنگل میں چھپتے پھرتے تھے طائر اِدھر
مردم تھی سات پردوں کے اندر عرق میں تر خس خانہ مژہ سے نکلتی نہ تھی نظر
گر چشم سے نکل کے ٹھہر جاتے راہ میں
پڑجائیں لاکھوں آبلے پائے نگاہ میں[1]

مکالمہ نگاری اچھی شاعری کی جان ہوتی ہے۔ جو جتنا بڑا شاعر ہوگا اس کے مکالمے اسی طرح حقیقت سے قریب ہونگے۔ اردو مرثیہ کے باب میں میر انیسؔ وہ شاعر ہیں جن کو مکالمہ نگاری پر مکمل عبور حاصل تھا۔ میر انیسؔ مکالمہ لکھتے وقت افراد کی عمر، مرتبے اور انفرادی خوبیوں کو نظر میں رکھ کر وقت اور حالات کے مطابق مکالمہ لکھتے تھے۔ میر انیسؔ نے انہیں تمام بنیادی اصولوں کے تحت مکالمے لکھے اسی لیے ناقدین نے ان کے اس فن کو اردو شاعری کی بے مثل مکالمہ نگاری قرار دیا ہے۔

کہا گیا ہے کہ ہر بڑی اور عظیم شاعری ڈرامہ کے قریب آجاتی ہے۔ اگر انیسؔ کی شاعری مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ انیسؔ کے اندر ایک بہت بڑا ڈرامہ نگار موجود تھا جو کام شیکسپیئر وغیرہ نے نہیں کیا وہ انیسؔ نے کر دکھایا۔ کیونکہ ایک چیز ہوتی ہے دکھا کر بتانا اور ایک چیز ہوتی ہے بتا کر دکھانا۔ دکھا کر بتانا آسان ہے لیکن بتا کر دکھانا مشکل ہے۔ انیسؔ کا کمال ہے کہ انہوں نے بتا کر اس طرح دکھایا ہے کہ وہ دکھا کر بتانے سے بہتر ہو گیا ہے۔ پروفیسر فضل امام میر انیس کی مکالمہ نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ”مرثیوں سے قبل اردو کی جن اصنافِ سخن میں مکالمہ نگاری نظر آتی ہے وہ محدود رہی ہے، حسن و عشق کی کیفیات کی پیش کش غزلوں اور مثنویوں میں ملتی ہے لیکن وہ صرف ایک ہی محور پر گھومتی پھرتی رہی ہے۔ اس کو وسعت اور تنوع سب سے پہلے مرثیہ نگاروں نے عطا کیا اور انیس نے مکالمہ نگاری کو ایک گراں قدر اور مستند فن قرار دے دیا۔“[2]

۱۔ انیس کے مرثیے، جلد اول، صفحہ ۳۲۸
۲۔ فضل امام رضوی، میر انیس شخصیت و فن، ۱۸۱

سید مسعود حسن رضوی لکھتے ہیں:

"گفتگو اور مکالمے کے لکھنے میں بھی کوئی شاعر انیس کا مقابل نہیں ہو سکتا۔ انیس جب دو شخصوں کی گفتگو لکھتے ہیں تو الفاظ، طرز کلام اور لب و لہجے میں متکلم اور مخاطب دونوں کی عمر، صنف، سیرت، حیثیت، وقتی قلبی کیفیت، گفتگو کے موقعے اور ان کے باہمی تعلقات کا لحاظ رکھتے ہیں۔"[۱]

میر انیسؔ کے مرثیے کے چند بند ملاحظہ ہوں جس میں انہوں نے جناب حرؑ کا عمر سعد سے مکالمے کو قلم بند کیا ہے جو مکالمہ نگاری کی بہترین مثال ہیں:

حر سے گھبرا کے یہ بولا عمر سعد شریر — یہ تو لگتی ہے طرفدارئ شہؑ کی تقریر
اپنے آقا کا نہ کچھ ذکر نہ تعریف امیر — اللہ اللہ یہ اوصاف اور یہ مدح شبیرؑ

سن چکا ہوں کہ تو مضطر ہے کئی راتوں سے
الفت شاہ ٹپکتی ہے تیری باتوں سے

نہ وہ آنکھیں، نہ وہ چتون، نہ وہ تیور، نہ مزاج — سیدھی باتوں میں بگڑنا یہ نیا طور ہے آج
تخت بخشا ہے محمدؐ کے نواسے نے کہ تاج — جن کو سمجھا ہے غنی دل میں، وہ خود ہیں محتاج

کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے[۲]

❖

۱۔ سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ، روح انیس، صفحہ ۳۷
۲۔ انیس کے مرثیے، جلد اول، صفحہ ۱۷۷، ۱۷۸

اس کے جواب میں جناب حر کہتے ہے:

عمل خیر سے بہکا نہ مجھے او ابلیس　　یہی کونین کے مالک ہیں یہی راس و رئیس
کیا مجھے دے گا تیرا حاکم ملعون و خسیس　　کچھ تردد نہیں کہہ دے کہ لکھے پرچہ نویس
ہاں سوئے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہوں
لے ستمگر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں[1]

❖

ارسطو یونان کا ممتاز فلسفی، مفکر اور ماہر منطق تھا، جو افلاطون و سقراط کا شاگرد تھا۔ بوطیقا ارسطو کی کتاب ہے۔ بوطیقا میں ارسطو نے نقل، فطرت، شاعری کی اصل، شاعری کی اقسام، المیہ کے اصول وغیرہ پر بحث کی ہے اور شاعری کا ایک آفاقی نظریہ پیش کیا ہے۔ شمس الرحمٰن فاروقی نے بھی اس کتاب کا "شعریات" کے نام سے ترجمہ کیا ہے۔

ارسطو طربیہ و رزمیہ شاعری کو زیادہ اہمیت نہیں دیتا ہے بلکہ وہ المیہ شاعری کو اہم سمجھتا ہے، کیونکہ اس کا کہنا ہے کہ المیہ کے مناظر سے خوف اور دردمندی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور عبرت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے انسان کو خود احتسابی کا موقع ملتا ہے اور جتنے بھی مفسدات اور منفی قوتیں ہیں اس کا ازالہ کرتا ہے۔ المیہ مناظر کو دیکھنے اور سننے والوں پر ایک مثبت اثر ہوتا ہے۔ وہ اس کے لیے ایک مثال دیتا ہے کہ المیہ کا اثر بالکل اسی طرح ہوتا ہے جیسے ایک پکا ہوا پھوڑا ہو اور جب اس پر چاقو لگے تو مواد کے باہر آنے سے جو راحت ملتی ہے وہی المیہ کے مناظر کو پیش کرنے کے بعد اثر ہوتا ہے۔ ارسطو کہتا ہے کہ المیہ مناظر تزکیہ نفس اور تنقیہ نفس کا کام کرتے ہیں جسے یونانی زبان میں "کتھارسس" کہا جاتا ہے۔

اگر ارسطو کے المیہ کے اصول پر اردو ادب کی کوئی صنف اترتی ہے تو وہ مرثیہ ہے۔ جس کے سننے اور پڑھنے سے جہاں تہذیبِ اخلاق حاصل ہوتی ہے وہیں انسان کے اندر مظلوم سے ہمدردی اور ظالم سے نفرت پیدا ہوتی ہے۔ مرثیہ انسان کو حق کا طرفدار اور باطل سے بیزاری عطا کرتی ہے۔

۱۔ انیس کے مرثیے، جلد اول، صفحہ ۱۸۱

مرثیہ کا تعلق رثائی ادب سے ہے جس کے ذریعہ سننے والوں کے دلوں میں سوز وگداز پیدا کرکے ان پر رقّت طاری کرنا یعنی رُلانا مقصود ہوتا ہے۔ یوں تو پورا مرثیہ ہی غم والم کی داستان کا نام ہے لیکن رخصت، شہادت اور بین وہ اجزاء ہیں جنھیں الم انگیزی کے اعتبار سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ اردو ادب میں میر انیسؔ وہ باکمال شاعر ہیں جنھیں جذبات نگاری پر ملکہ حاصل ہے۔ اگرچہ میر انیسؔ اپنے مرثیوں میں شہادت کا تذکرہ بہت مفصّل نہیں کرتے مگر ان کے مرثیوں کا کمال یہی ہے کہ "مختصر پڑھ کر رُلا دینے کا سامان ہے"۔

ایک بہترین مرثیے کی خصوصیات میں ذہنی و جمالیاتی تسکین، تعریف و توصیف کے ساتھ ساتھ سب سے اہم یہ کہ سننے والوں پر رقّت طاری ہو جائے۔ اردو مرثیوں کا یہی وہ بنیادی مقصد ہے جو اسے یونانی المیہ تمثیل کے قریب لے آتا ہے۔ جس کے نتیجے میں انسان کے اندر ہمدردی پیدا ہوتی ہے۔ میر انیسؔ اپنے ایک مرثیے میں گریہ وبکا کے مفہوم اور ان کی نفسیاتی، اخلاقی اور اعتقادی قدر و منزلت پوری وضاحت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور مرثیہ کا یہی وہ بنیادی پہلو ہے جس کی بنا پر المیہ سے اس کا موازنہ کیا جاتا ہے:

کیوں مومنو، کیا فیض ہے کیا لطف وعطا ہے　　کیا مرتبہ اشک ہے کیا اجرِ بکا ہے
گوہر ہیں یہ وہ، جن کا خریدار خدا ہے　　جو کچھ ہے سو بس دوستی آلِ عبا ہے
دنیا پہ، نہ دولت پہ توجہ ہے، نہ زر پر
زہراؑ کی نظر پڑتی ہے اشکوں کے گہر پر

کیا اشک عزادار کا رتبہ کوئی جانے　　یہ گنج گہر بخشا ہے مردم کو خدا نے
کی ہے نظر عین عنایت شہدا نے　　دکھلائیں گے کیا کیا ثمر ان اشکوں کے دانے
یاں اس کا نہ عقدہ دل مضطر پہ کھلے گا
یا قبر میں یا چشمہ محشر پہ کھلے گا

مہلت جو اجل دے تو غنیمت اسے جانو　　آمادہ ہو رونے پہ سعادت اسے جانو
آنسو نکل آئیں تو عبادت اسے جانو　　ایذا بھی ہو مجلس میں تو راحت اسے جانو

فاقے کیے ہیں دھوپ میں لب تشنہ رہے ہیں
آقا نے تمہارے لیے کیا ظلم سہے ہیں[1]

اردو مرثیے میں رخصت کا بیان المیہ شاعری کا پہلا حصہ ہے۔رخصت سے مراد مرثیے کا وہ حصہ جس میں مرثیے کا مرکزی کردار میدانِ جنگ میں جانے کے لیے اپنے عزیز واقارب سے رخصت طلب کرتا ہے۔انیسؔ چونکہ انسانی نفسیات کے تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے تھے لہٰذا رخصت کے لمحات کا تذکرہ کرتے ہوئے خاندانی اور معاشرتی رشتوں کو خوب اجاگر کرتے ہیں اور ہر شخص کے جذبات واحساسات کو رشتے کی نوعیت کے اعتبار سے بیان کرتے ہیں۔جب حضرت امام حسین علیہ السلام خیام میں رخصت کے لیے آئے ہیں تو اس وقت کے منظر کو یوں بیان کیا ہے:

روتے ہوئے حرم میں گئے قبلہ انام تر تھی لہو سے لختِ جگر کے قبا تمام
رخ زرد، دل میں درد بدن سرد تشنہ کام طاقت نہ قلب میں نہ بدن میں لہو کا نام
یہ درد تھا بکا میں کہ دل ٹکڑے ہوتے تھے
یہ حال تھا کہ رونے پہ دشمن بھی روتے تھے

پیارے نہ تھے حسین علیہ السلام کے لائی حرم سرا میں بہن ہاتھ تھام کے
تھرّا رہے تھے پاؤں شہ تشنہ کام کے سر دوش پر تھا زینبؑ عالی مقام کے
فرماتے تھے بہن، علی اکبر گزر گئے
ہم ایسے سخت جاں تھے کہ اب تک نہ مر گئے

سر بارِ دوش ہے ہمیں رخصت کرو بہن اب عنقریب خیمہ عصمت ہیں تیغ زن
مردے پڑے ہوئے ہیں عزیزوں کے بے کفن پامال ہو نہ لاشہ فرزند صف شکن

۱۔انیس کے مرثیے، جلد اول، صفحہ ۴۷

محجوب ہم ہیں قاسمؑ بے پر کی روح سے
شرمندگی نہ ہو علی اکبرؑ کی روح سے

یہ سچ کہ تم کو مجھ سے محبت ہے اے بہن کیا کیجے ناگزیر ،یہ فرقت ہے اے بہن
پیارے تمہارے بھائی کی رحلت ہے اے بہن دنیا مقامِ رنج و مصیبت ہے اے بہن
بھولے نہ یادِ حق کبھی گو حال غیر ہو
اس کی ظفر ہے خاتمہ جس کا بخیر ہو

دیکھا یہ کہ کے بالی سکینہؑ کو یا س سے لپٹی وہ دوڑ کے شہِ گردوں اساس سے
طاقت نہ تھی کلام کی ہر چند پیاس سے بولی وہ تشنہ کام شہِ حق شناس سے
کیااس بلاکے بن سے تہیہ سفر کا ہے
صدقے گئی بتاؤ ارداہ کدھر کا ہے

فرمایا شہ نے ہاں سفر ناگزیر ہے آؤ گلے لگو کہ یہ صحبت اخیر ہے
اب آرزوئے قربِ خدائے قدیر ہے تنہا ہیں ہم سپاہِ مخالف کثیر ہے
طے ہو یہ مرحلہ جو اعانت خدا کرے
جس کا نہ کوئی دوست ہو بی بی وہ کیا کرے[1]

❖

مرثیہ کے اجزائے ترکیبی کے لحاظ سے رخصت کے بعد عموماً شہادت کا بیان ہوتا ہے۔ شہادت ہی کے ضمن میں رزمیہ شاعری جیسے ہیرو کا سراپا، گھوڑے کی تعریف، تلوار کے وار کی تعریف، رجز، جنگ اور آخر میں شہادت کا بیان جو حقیقت میں المیہ ہے اور یہی وہ حصہ ہے جس کی وجہ سے ارسطو کی المیہ تمثیل اور

۱۔ مرثیہ خوان جناب جعفر علی صاحب، حیدرآباد دکن

مرثیہ میں مشترک قدریں پیدا ہو جاتی ہیں۔ میر انیسؔ حضرت امام حسین عالی مقام کی شہادت کا جب بیان کرتے ہیں تو پورا منظر آنکھوں میں پھر جاتا ہے:

آج شبیرؔ پہ کیا عالمِ تنہائی ہے ظلم کی چاند پہ زہراؔ کے گھٹا چھائی ہے
اس طرف لشکرِ اعدا میں صف آرائی ہے یاں نہ بیٹا نہ بھتیجا نہ کوئی بھائی ہے
برچھیاں کھاتے چلے جاتے ہیں تلواروں میں
مار لو پیاسے کو ہے شور ستمگاروں میں

زخمی بازو ہیں کمر خم ہے بدن میں نہیں تاب ڈگمگاتے ہیں نکل جاتی ہے قدموں سے رکاب
پیاس کا غلبہ ہے لب خشک ہیں آنکھیں ہیں پرآب تیغ سے دیتے ہیں ہر وار کا اعدا کو جواب
شدتِ ضعف میں جس جا پہ ٹھہر جاتے ہیں
سیکڑوں تیر ستم تن سے گذر جاتے ہیں

خون سے تر پیچ عمامے کے ہیں سر زخمی ہے ہے جبیں چاند سی پر نور مگر زخمی ہے
سینہ سب برچھیوں سے تا بہ کمر زخمی ہے تیرِ بیداد سے دل زخمی، جگر زخمی ہے
ضربِ شمشیر سے بیکار ہیں بازو دونوں
ظلم کے تیروں سے مجروح ہیں پہلو دونوں

برچھی آ کر کوئی پہلو میں لگا جاتا ہے مارتا ہے کوئی نیزہ تو غش آجاتا ہے
بڑھتے ہیں زخمِ بدن، زور گھٹا جاتا ہے بند آنکھیں ہیں، سرِ پاک جھکا جاتا ہے
گردِ زہراؔ و علیؔ گریہ کناں پھرتے ہیں
غل ہے گھوڑے سے امام دو جہاں گرتے ہیں

زیں سے ہوتا ہے جدا دوشِ محمد کا مکیں   چمنِ فاطمہ کا سرو ہے مائل بہ زمیں
برچھیاں گرد ہیں اور بیچ میں ہیں سرورِ دیں   ہے یہ نزدیک گرے مہرِ نبوت کا نگیں

پاؤں ہر بار رکابوں سے نکل جاتے ہیں
یا علیؑ کہتی ہے زینبؑ تو سنبھل جاتے ہیں

رحم کر رحم کر شرمندہ ہوں اے یارِ خدا   بندگی کا ترے جو حق تھا ادا ہو نہ سکا
خوفِ محشر سے، بدن کانپتا ہے، سرتاپا   ہوگی اعمال کی پرسش تو، کہوں گا میں کیا؟

کوئی تحفہ ترے لائق نہیں پاتا ہے حسینؑ
ہاتھ خالی ترے دربار میں آتا ہے حسینؑ

ابھی مولا نے سرِ عجز اٹھایا نہ تھا آہ   نیزہ اک چھاتی پہ مارا جو کسی نے ناگاہ
غش میں گرنے لگے گھوڑے سے امامِ ذیجاہ   آئی خاتونِ قیامت کی صدا بسم اللہ

تھامنے آئے علیؑ خلد سے گھبرائے ہوئے
دوڑے محبوبِ خدا ہاتھوں کو پھیلائے ہوئے

تیز کرتا ہوا خنجر کو گیا شہ کے قریں   آسماں ہل گیا تھرا گئی مقتل کی زمیں
رو رو چلانے لگی زینبِؑ ناشادِ حزیں   غش میں بھی گھیرے ہیں، ہے ہے مرے بھائی کو لعیں

رحم زہراؑ کے پسر پر نہیں کھاتا کوئی
خاک سے بھی نہیں زخمی کو اٹھاتا کوئی[1]

۱۔ انیس کے مرثیے، جلد دوم، صفحہ ۳۴۲ تا ۳۴۸

گرتے ہیں اب حسین فرس پر سے ہے غضب نکلی رکاب پائے مطہر سے ہے غضب
پہلو شگافتہ ہوا خنجر سے ہے غضب غش میں جھکے عمامہ گرا سر سے ہے غضب

قرآں رحل زیں سے سرِ فرش گر پڑا
دیوارِ کعبہ بیٹھ گئی عرش گر پڑا[1]

❖

شہادت سے متصل ہی بین کا ذکر ہوتا ہے۔جو مرثیے کا آخری مگر اہم جزو ہے جس میں امام عالی مقام کی شہادت پر اہل حرم بین کرتے ہیں۔ بین ہی وہ ہے جس سے "کتھارسس" حاصل ہوتا ہے۔ میر انیسؔ کے بین کے بارے میں سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ رقم طراز ہیں:

"مرثیے کا سب سے دردناک حصّہ "بین" ہے۔بلکہ سچ پوچھیے تو بین ہی اصل مرثیہ ہے۔ میر انیسؔ بالعموم مختصر بین لکھتے ہیں۔ طولانی بین بہت کم لکھتے ہیں۔ وہ سخت لکھنا پسند نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے مخاطبِ صحیح عوام نہیں بلکہ لطیف جذبات کے لوگ ہیں۔ جن کے دل پر بے محل نالے اتنا اثر نہیں کرتے جتنی با محل ایک آہ۔ جو لوگ لطیف جذبات رکھتے ہیں ان کو سخت مظالم کے بیان سے تنفّر اور سخت بین سے تنغّض ہوتا ہے۔ لیکن جہاں جہاں ان کے نازک جذبات کو ٹھیس لگتی ہے وہاں ان کے آنسو بے ساختہ نکل آتے ہیں۔ میر انیس حقیقت کو خوب سمجھتے تھے۔انیسؔ کے یہاں بین کے علاوہ مرثیے کے دوسرے مقامات بھی اکثر دردناک اور نہایت پُراثر ہوتے ہیں۔ رخصت بالخصوص ایسی ہوتی ہے کہ پتّھر کا دل پانی ہو جائے"۔[2]

امام حسین علیہ السلام کی شہادت پر جناب فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا اور جناب زینبؑ کے بین کو میر انیسؔ نے کس درد و کرب کے ساتھ بیان کیا ہے:

۱۔ انیس کے مرثیے، جلد دوم، صفحہ ۳۳۹
۲۔ روح انیس، سید مسعود حسن رضوی ادیبؔ، صفحہ ۴۰

جنگل سے آئی فاطمہ زہرا کی یہ صدا امت نے مجھ کو لوٹ لیا وا محمدا
اس وقت کون حق محبت کرے ادا ہے ہے یہ ظلم اور دو عالم کا مقتدا

انیس سو ہیں زخم تن چاک چاک پر
زینب نکل حسین تڑپتا ہے خاک پر

پردہ الٹ کے بنتِ علی نکلی ننگے سر لرزاں قدم، خمیدہ کمر، غرق خون جگر
چاروں طرف پکارتی تھی سر کو پیٹ کر اے کربلا بتا، ترا مہمان ہے کدھر

اماں قدم اب اٹھتے نہیں تشنہ کام کے
پہونچا دو لاش پر مرے بازو کو تھام کے

اس وقت سب جہاں مری آنکھوں میں ہے سیاہ لوگو! خدا کے واسطے مجھ کو بتاؤ راہ
سید کدھر تڑپتا ہے اماں کدھر ہیں آہ؟ کس سمت ہے نبی کے نواسے کی قتل گاہ؟

شعلے دل و جگر سے نکلتے ہیں آہ کے
یہ کون نام لیتا ہے میرا کراہ کے

کس نے صدا یہ دی کہ بہن اس طرف نہ آؤ بس اب سفر قریب ہے اللہ گھر میں جاؤ
اب ڈوبتی ہے آل رسولِ خدا کی ناؤ یا مرتضیٰ غریبوں کے بیڑے کو تم بچاؤ

اب چھوڑ یو نہ دشتِ بلا میں حسین کو
یا فاطمہ چھپا لو ردا میں حسین کو

بنتِ علی تو پیٹتی پھرتی تھی ننگے سر کٹتا تھا نورِ چشم علی کا گلا ادھر
زینب کو منع کرتے تھے ہر چند اہلِ شر لیکن وہ دوڑی جاتی تھی تھامے ہوئے جگر

پہونچی جو قتل گاہ میں اس روک ٹوک پر
دیکھا سرِ حسین کو نیزے کی نوک پر

نیزے کے نیچے جا کے پاری وہ سوگوار سید تری لہو بھری صورت کے میں نثار
ہے ہے گلے پہ چل گئی بھیا چھری کی دھار بھولے بہن کو اے اسدِ حق کے یادگار
صدقے گئی لٹا گئے گھر وعدہ گاہ میں
جنبش لبوں کو ہے ابھی یاد آلہ میں

بھیا سلام کرتی ہے خواہر جواب دو چلا رہی ہے دخترِ حیدر جواب دو
سوکھی زبان سے بہرِ پیمبر جواب دو کیونکر جئے گی زینبِ مضطر جواب دو
جز مرگ دردِ ہجر کا چارا نہیں کوئی
میرا تو اب جہاں میں سہارا نہیں کوئی

ہے ہے تمہارے آگے نہ خواہر گذر گئی بھیا بتاؤ کیا تہ خنجر گذر گئی؟
آئی صدا نہ پوچھو جو ہم پر گذر گئی صد شکر جو گذر گئی بہتر گذر گئی
سر کٹ گیا ہمیں تو الم سے فراغ ہے
گرہے تو بس تمہاری جدائی کا داغ ہے

گھر لوٹنے کو آئے گی اب فوج نابکار کہیو نہ کچھ زباں سے، بجز شکرِ کردگار
خیمہ میں جب کہ آگ لگادیں ستم شعار رہیو مری یتیم سکینہؑ سے ہوشیار
بے زار ہے وہ خستہ جگر اپنی جان سے
باندھے نہ کوئی اس کا گلا ریسمان سے

بس اے انیسؔ ضعف سے لرزاں ہے بند بند — عالم کو یادگار رہیں گے یہ چند بند
نکلے قلم سے ضعف میں کیا کیا بلند بند — عالم پسند بند ہیں سلطان پسند بند

یہ فصل اور یہ بزمِ عزا یادگار ہے
پیری کے ولولے ہیں خزاں کی بہار ہے[1]

❖

مجموعی جائزہ:

پروفیسر مسعود حسین رضوی میر انیسؔ کی فکری وفنی خوبیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

> "حقیقت یہ ہے کہ معنوی حیثیت سے یا تاثرات کے اعتبار سے شاعری جتنی قسمیں ہوسکتی ہیں انیس کے مرثیے ان سب پر حاوی ہیں شاعری جذبات کی ترجمانی ہو یا خیالات کی، تخیل کی جولان گاہ ہو یا محاکات، وجدان کی تعمیر ہو یا حیات کی، ان کا مقصد فنی حسن کی تخلیق ہو یا انسانی اخلاق کی تکمیل، سکون قلب کی تحصیل یا کسی پیغام کی تبلیغ مختصر یہ کہ شاعری کی جو تعریفیں کی گئی ہیں اس کے محاسن قرار دیئے گئے ہیں اس کے جو مقاصد بیان کیے گئے ہیں ان سب کے اعتبار سے انیسؔ کے مرثیوں کا شمار اعلیٰ درجہ کی شاعری میں ہوگا۔"[2]

میں مسعود حسین صاحب کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہوں گا کہ حق یہی ہے کہ میر انیس کے مرثیوں کا شمار اعلیٰ درجہ کی شاعری میں ہوتا ہے، اگر ہم اردو شاعری کے صاحبِ ڈکشن شعراء کے کلام کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں میرؔ کے یہاں غم کرتے ہوئے انسان کا تصور ہے۔ غالبؔ کے یہاں غور وفکر کرتے ہوئے انسان کا تصور پایا جاتا ہے۔ اقبالؔ کے یہاں انسان کامل کا تصور ہے لیکن انیسؔ ایک ایسے شاعر ہیں جن کے یہاں ان تینوں بڑے عظیم شاعروں کے یہاں پائے جانے والے انسانی تصورات کی بیک وقت کارفرمائی ہے۔انیسؔ کے مرثیے رزمیہ والمیہ شاعری کے شاہکار ہیں۔انہوں نے مناظرِ فطرت کا بیان، جذبات و

۱۔ انیس کے مرثیے، جلد دوم، صفحات ۳۳۹تا۳۴۱

۲۔ انیسیات، سید مسعود حسن رضوی ادیب، ص ۱۰۶

احساسات کی ترجمانی، کردار نگاری، واقعہ نگاری کے اعلیٰ ترین نمونے پیش کیے ہیں ۔آیات و روایات سے استفادہ کرتے ہوئے مرثیے کے فن کو بامِ عروج تک پہنچایا۔زبان و بیان میں فصاحت و بلاغت، سلاست و روانی، فرہنگ و محاورات کے عظیم ذخیرے سے اردو ادب کے دامن کو مالامال کیا۔

☆☆☆

منابع و مآخذ

- ❖ اردو مرثیہ، شارب ردولوی، اردو اکادمی دہلی، ۱۹۹۱ء
- ❖ ارسطو سے ایلیٹ تک، ڈاکٹر جمیل جالبی، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء
- ❖ انیس شناسی، فضل امام، ایجوکیشنل بک ہاؤس، علی گڑھ، ۱۹۸۱
- ❖ انیس کے مرثیے، صالحہ عابد حسین، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی، ۱۹۷۷ء
- ❖ انیسیات، سید مسعود حسن رضوی ادیب، اترپردیش اردو اکاڈمی، لکھنو، ۱۹۸۱
- ❖ روح انیسؔ، سید مسعود حسن رضوی ادیب، انڈین پریس لیمیٹیڈ، الہ آباد
- ❖ مقدّمہ شعر وشاعری، مولانا الطاف حسین حاؔلی، ایجوکیشنل بک ہاؤس علی گڑھ
- ❖ موانہ انیس ودبیر، علّامہ شبلی نعمانی، اتّرپردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ۱۹۸۲ء
- ❖ میر انیسؔ، حیات وشاعری، فرمان فتح پوری، اردو اکیڈمی سندھ، کراچی، ۱۹۷۶ء
- ❖ نقوش، انیس نمبر، مدیر محمد طفیل، ادارہ فروغ اردو، لاہور، ۱۹۸۱ء